

HABIBIA ISLAMICUS

(The International Journal of Arabic & Islamic Research) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)
Home Page: <http://habibiaislamicus.com>

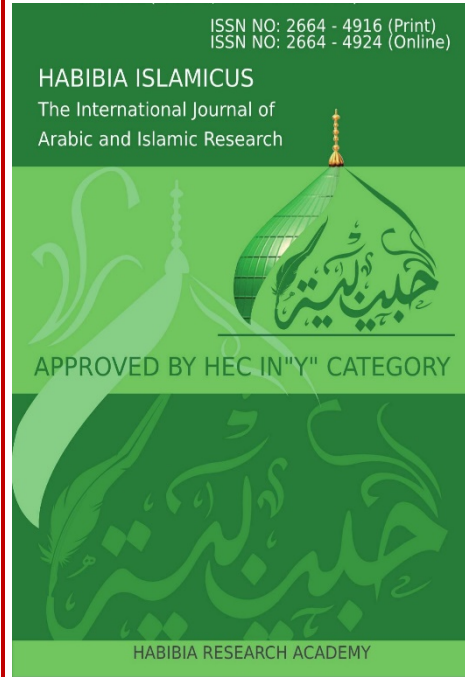
Approved by HEC in Y Category

Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.

PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,
Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration
Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.

Website: www.habibia.edu.pk,

This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).



TOPIC:

**AMONG THE MUSLIM HISTORIANS OF URDU LANGUAGE AND LITERATURE,
DR. MUHAMMAD JAMEEL JALBI AS A HISTORIAN AND RESEARCHER,
A CRITICAL REVIEW**

اردو زبان و ادب کے مسلمان مورخین میں ڈاکٹر محمد جمیل جالبی بطور مورخ و محقق ایک تنقیدی جائزہ

AUTHORS:

- 1- Dr. Rashida Qazi, Ph.D Scholar Urdu, GU, D.G.Khan, Email ID: rashida-qazi@gmail.com
- 2- Dr. Nazia Rahat, Department of Urdu GU, D.G.Khan, Email ID: naziashaukat27@gmail.com
- 3- Muhammad Ali, Ph.D Scholar Urdu IUB, Bahawalpur, Email ID: alikhannzada40@gmail.com

How to Cite: Qazi, Rashida, Nazia Rahat, and Muhammad Ali. 2022. "AMONG THE MUSLIM HISTORIANS OF URDU LANGUAGE AND LITERATURE, DR. MUHAMMAD JAMEEL JALBI AS A HISTORIAN AND RESEARCHER, A CRITICAL REVIEW: اردو زبان و ادب کے مسلمان مورخین میں ڈاکٹر محمد جمیل جالبی بطور مورخ و محقق ایک تنقیدی جائزہ". *Habibia Islamicus (The International Journal of Arabic and Islamic Research)* 6 (3) 01-10. <https://doi.org/10.47720/hi.2022.0603u01>.
URL: <https://habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/271>

Vol. 6, No.3 || July –September 2022 || P. 01-10

Published online: 2022-08-23

QR. Code



AMONG THE MUSLIM HISTORIANS OF URDU LANGUAGE AND LITERATURE,
DR. MUHAMMAD JAMEEL JALBI AS A HISTORIAN AND RESEARCHER,
A CRITICAL REVIEW

اردو زبان و ادب کے مسلمان مورخین میں ڈاکٹر محمد جمیل جالبی بطور مورخ و محقق ایک تنقیدی جائزہ

Rashida Qazi,

Nazia Rahat,

Muhammad Ali,

ABSTRACT:

The primary aim of this paper is to highlight the literary role and contribution of Dr. Jameel Jalbi. Literature has played an important role in human intellectuality and there are very few people who are recognized as great scholars, historians, and critics. Although research is a tough task, especially regarding personality, therefore, very few names worked and inspired through their work due to their classical literary role and taste. Dr. Jameel Jalbi is also considered one of them. He is well known Urdu scholar, important historian, researcher, and critic of the Sub-continent. In academia as a researcher, he also had a distinction, and his research work is measured to the highest standard in the literature. His literary contribution is marvelous. This paper also deals with the literary work and contribution of Dr. Jameel Jalbi as a historian, researcher, and critic as he is considered one of the prominent figures of Urdu literature.

KEYWORDS: Urdu literature, Scholar, Researcher, Historian, Jameel Jalbi, etc.

تعارف موضوع: برصغیر کی تاریخ ادب کے دلدادہ لوگوں کی جنت سمجھی جاتی ہے اور یہاں کئی نامور شخصیات نے ادبی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور ان کی شہرت کا چرچا دنیا کے کونے کونے اور نگر نگر پہنچا۔ ان لوگوں میں ایک نام جمیل جالبی کا ہے۔ دنیائے ادب میں مشہور جالبی کا اصل نام ڈاکٹر محمد جمیل خان ہے اور ان کا تعلق پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلہ سے جوڑا جاتا ہے۔ یہ خیال ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں ان کے آباء واجداد ہرات سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا شمار اردو کے جید ادیب اور نامور محققین میں ہوتا ہے ہیں۔ اردو ادب کی ترقی میں ان کا نام اور ان کی خدمات لافانی و لاثانی ہیں اور ان کی خدمات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ وہ ایک، مصنف، مورخ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حقیقی محقق اور نقاد بھی ہیں۔ ڈاکٹر جالبی 12 جون 1929 کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ سندھ یونیورسٹی کراچی سے 1949ء میں انگریزی ادب اور 1950ء میں اردو ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر جالبی نے 1971ء میں سندھ یونیورسٹی جام شورو سے "قدیم اردو ادب کا تحقیقی مطالعہ" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ (۱)۔ وہ 1987ء سے 1994ء تک مقتدرہ قومی زبان و ادب کے سربراہ رہے ڈاکٹر جالبی کی علمی و ادبی خدمات کے حوالے سے یہ تحقیقی مقالہ ان کی تاریخی و تحقیقی کاوشوں کا تجزیہ کرتا ہے۔

تحقیقی طریقہ کار: ادب سے متعلق یہ تحقیقی مقالہ جیسا کہ اس کے موضوع سے واضح ہوتا ہے ایک مورخ و محقق کی ادبی کاوشوں اور خدمات کے احاطہ کرتا ہے جو خالصتاً موضوعاتی مطالعے پر مشتمل ہونے کے باعث اقداری مواد پر انحصار کرتا ہے اور اس مقالے میں مواد کو تاریخی طریقہ تحقیق و اقداری بنیادوں پر جانچا گیا ہے۔ مواد کے حصول کے مختلف ذرائع اختیار کرتے ہوئے مختلف بنیادی اور ثانوی ماخذات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ادب کا مطالعہ: کسی بھی تحقیق کا معیاری ہونا ادبی مطالعہ سے منسلک ہے اور تحقیق اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اس مقالے کی تیاری میں بہت سارے تاریخی و تحقیقی ماخذات کی مدد لی گئی ہے۔ ادبی تحقیق کے اصول، سہ ماہی ادبیات، ڈاکٹر جمیل جالبی ایک مطالعہ، ادبی تحقیق، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ادبی تحقیق کے اصول، اردو تحقیق صورت حال اور تقاضے وغیرہ شامل ہیں۔

موضوع پر بحث: جمیل جالبی کو اردو ادب کی قد آور شخصیت ہونے کا وہ اعزاز حاصل ہے جس کا ادراک بہت کم لوگوں کو ہے اور جمیل جالبی کا محققانہ مزاج اور ان کے علمی و ادبی مقام کے حوالے سے دیکھا جائے تو محققین کے خیال میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ "یہ درست ہے کہ تنقید کی جدید تعریفوں کی روشنی میں اور اس اصطلاح سے وابستہ آج کے مفاہیم کی رو سے انہیں اب تنقید نہیں سمجھا جاسکتا لیکن اردو شعراء کی حیات اور کلام کے بارے میں جو کوائف مدون ہو گئے ہیں ان کی ادبی و تاریخی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں ان تذکروں کی صورت میں اردو کے بعض نامور مصحفی اور شیفہ کے شعور سے آگہی حاصل شعراء جیسے میر، ہوتی ہے۔" (2) ادب کی تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں اس زبان اور اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں کی اجتماعی و تہذیبی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں ادب میں سارے فکری، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی اور لسانی عوامل ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت، ایک اکائی بناتے۔ اور تاریخ ادب ان سارے اثرات، روایات، محرکات اور خیالات و رجحانات کا آئینہ ہوتی ہے" (3)

بقول ڈاکٹر حبیب: ان کے تحقیقی و ادبی کارنامے ہمہ جہت ہیں۔ ایک طرف انہوں عالمی ادب کے تنقیدی شہ پاروں کو ترجمہ کرتے ہوئے۔ ایلپیٹ کے مضامین اور ارسطو سے ایلپیٹ تک، اردو میں منتقل کیا۔ تو دوسری جانب انہوں نے قدیم اردو کے اولین نقوش کی بازیافت کرتے ہوئے نظامی کی مثنوی کو مرتب کیا۔ نصرتی اور شوقی کی غزلیات کو دنیائے ادب سے روشناس کروایا ہے۔ (4)۔ اس کے ساتھ تہذیب اور جدیدیت کے مسائل پر عزیز احمد کی انگریزی کتاب کا ترجمہ کیا۔ بچوں کے لیے بھی کتابیں آسان زبان میں تصنیف کیں۔ انہوں نے پاکستان سے اپنی وابستگی کے ثبوت میں پاکستانی کلچر پر بھی قلم اٹھایا۔ ان تمام پر طرہ یہ کہ قدیم اردو لغت، فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ (دو جلدیں) اور قومی انگریزی اردو لغت بھی ترتیب دیں۔ جمیل جالبی نے بے شمار مضامین لکھے اور مستند تحقیقی کام کیا۔ اور کئی کتب لکھیں جن میں سے ان کی شائع ہونے والی کچھ اہم کتب درج ذیل ہیں:

- 1- جانورستان، 1958ء 2- پاکستانی کلچر، 1965ء 3- تنقید اور تجربہ، 1967ء 4- دیوان حسن شوقی، 1972ء 5- مثنوی کدم راؤ پدم راؤ 1973ء 6- دیوان نصرتی، 1973ء 7- قدیم اردو لغت، 1974ء 8- ارسطو سے ایلپیٹ تک، 1975ء
- 9- تاریخ ادب اردو (ج اول) 1975ء 10- تقی میر، 1981ء 11- حیرت ناک کہانیاں، 1983ء 12- تاریخ ادب اردو (جلد دوم) حصہ اول، 1984ء 13- تاریخ ادب اردو (جلد دوم) حصہ دوم 1984ء 14- پاکستان ری آئیڈینٹیفی آف کلچر، 1984ء 15- نئی تنقید، 1984ء 16- بزم خوش نفساں، 1985ء 17- ادب، کلچر اور مسائل، 1985ء 18- ن-م-راشد۔ ایک مطالعہ 19- ایلپیٹ کے مضامین، 1990ء 20- قومی انگریزی اردو لغت 1992ء

ڈاکٹر جالبی کی علمیت نے اردو ادب کی تحقیق و تدوین کی روایت کو جس خوبصورتی، کمال مہارت اور تجربہ کاری سے آگے بڑھایا۔ وہ ان کی پہچان ہے۔ انہیں جدید زبان و ادب کے ساتھ ساتھ قدیم الفاظ ادبیات پر مکمل دسترس حاصل ہے اور وہ ان سب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر محمد

صدیق خان اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ڈاکٹر جمیل جالبی اردو ادب کی ایک قد آور شخصیت ہیں وہ اردو کے نامور نقاد ہیں۔ اور اپنی علمی بیکراں کے سبب وہ مشرق و مغرب کے کونے کونے میں پنپنے والے ادب سے پوری طرح دسترس رکھتے ہیں ڈاکٹر جالبی نے اردو زبان کی پہلی تصنیف مثنوی کلام کدم راؤ پدم راؤ پر کام کرتے ہوئے اسکی تدوین کر کے اردو ادب کی تاریخ کے پس منظر کو واضح کیا اور اس کے بارے موجود قیاسات کو دور کیا۔ ایلپیٹ کے مضامین اور عزیز احمد کی انگریزی کتابوں کا ایسا ترجمہ کیا۔ اور اسی طرح پاکستانی کلچر پر بالخصوص شناخت کی توضیح کرتے ہوئے کتاب لکھنے کا کارنامہ سرانجام دیکر اہم مقام حاصل کیا۔ اسی طرح لغت نویسی میں قدیم اردو لغت فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ اور قومی انگریزی لغت کی تالیف ان کے کارنامے ہیں۔ ان کی تاریخ ادب اردو ان کی تنقیدی بصیرت اور تحقیقی نگاری کا منہ بولتا ثبوت ہے اس سے بہت کی پچانقتی تاریخوں کا بھرم کھل گیا ہے۔ پچانقتی تاریخوں سے مراد وہ کتابیں ہیں جو سرکاری و نیم سرکاری اداروں نے زیر کثیر صرف کر کے مختلف مصنفین کو جمع کر کے لکھوائیں۔ ایسی شخصیت واقعی خراج تحسین کی مستحق ہے۔⁽⁵⁾ ڈاکٹر جمیل جالبی ایک ہمہ جہت ادیب ہیں اور ان کی شخصیت کے تمام پہلو اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت کے حامل ہیں جمیل جالبی صاحب کی علمی و ادبی فتوحات کا خیال کرتا ہوں تو وہ مجھے ایک یگانہ روزگار ہستی نظر آتے ہیں۔ ایک ایسی ہستی جس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اپنی ذات میں ایک ادارہ ہیں۔ بہت ہلکی سی بات نظر آتی ہے۔ ادبی گروہ بندی کی تنگ نظر فضا میں خود کو انتہا پسندی اور ذاتی نمود و نمائش سے الگ تھلگ رکھ کر جمیل جالبی صاحب نے جس خاموشی اور استقلال کے ساتھ ہمارے ادبی ماضی کو زندہ کیا ہے⁽⁶⁾

تحقیق ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ محقق ایک وقت میں دھوکا کھا کر کسی چیز کو کنارہ سمجھ بیٹھتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ کنارہ نہیں ہوتا ہ مگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری جانی ہوئی چیزوں، ہمارے مفروضوں یا دریافت شدہ حقائق کی ایک بظاہر حد ہوتی ہے۔ جس کے کنارے پر کھڑے ہو کر ہم دیکھتے ہیں اور ہمیں اُس پار کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ گویا ہمارا مشاہدہ جانی ہوئی چیزوں اور حقائق تک محدود ہوتا ہے۔ تحقیق محض ایک ادبی مشغلہ ہی نہیں یہ ایک مسلک، ایک ذہنی رویہ ایک طرز زندگی بھی ہے اور تلاش حق کا کاروبار بھی۔ اس لیے ایک محقق حق گو اور اخلاقی جرات کا حامل ہونا چاہیے تعصب سے بالاتر اور معتدل مزاجی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی بطور محقق مستقل مزاجی سے پوری طرح آشنا تھے۔ بہت باریک بین حق جو اور تحقیقی کام سے فطری رغبت رکھتے تھے اور ادبی و لسانی اوصاف سے اچھی طرح باخبر تھے۔⁽⁷⁾ اسی کے متعلق ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

جمیل جالبی میں ادبی مؤرخ، محقق، ناقد اور مترجم کی صلاحیتوں کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ جمیل جالبی نے تحقیق کے میدان میں اہم کارنامے سرانجام دیے۔ ایک مؤرخ، ایک ادبی مؤرخ، ایک نقاد اور بالعموم ہر ایک عالم کے لیے تھوڑا بہت ذوق تحقیق ایک اضافی خصوصیت اور خوبی ہی تصور کی جاتی ہے لیکن ایک محقق کے لیے، جو بنیادی طور پر محقق ہے۔ اول و آخر محقق یہ محض ایک اضافی خوبی نہیں بلکہ ایک طرز زندگی ہے۔ جالبی صاحب تلاش حقیقت یا تلاش حقائق کے بڑے جو یا تھے۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی کے آغاز سے علمی میدان میں محنت اور سخت کوشی

اختیار کر لی اور اسی لیے ہر میدان میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔⁽⁸⁾ ڈاکٹر گیان چند کہتے ہیں: ’میرا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی شخص بیک وقت بڑا محقق اور بڑا نقاد نہیں ہو سکتا۔ مجھے اردو میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی لیکن جمیل جالبی کو دیکھ کر میرے عقیدے میں تزلزل ہونے لگتا ہے۔ وہ تحقیق میں تواضع مقام پر فائز ہیں، ہی تنقید میں بھی اچھا خاصا مقام رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے آج سے نصف صدی پہلے جب میدان تحقیق میں قدم رکھا۔ تو مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی عرشی اور اس پائے کے کئی اور بلند پایہ محققین، اردو تحقیق کی لوح درخشاں پر اپنے نام ثبت کر چکے تھے۔ ادبی تحقیق میں پنجاب، دکن اور دہلی دبستان کے خدو خال نمایاں ہو گئے تھے اور اصول تحقیق کی تدوین اور تنظیم کے امکانات روشن ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ادبی تحقیق میں اس سارے گروہ سے اپنی انفرادیت جس پہلو سے قائم رکھی، وہ ان کے ہاں موضوعات کا انتخاب ہے۔ جالبی صاحب نے انفرادی تحقیق کے لیے عموماً جن موضوعات کو چنا وہ بے حد منفرد اور مشکل ہونے کے سبب ان سے عہدہ بر آہونا ایک لحاظ سے ان کی پختہ کاری کی علامت بھی بن گیا۔ ان کی حیثیت محقق کی ہے۔ نقاد کی بھی، مدون کی بھی ہے۔ ادیب کی بھی تبصرہ نگاری پر بھی ان کو ملکہ حاصل ہے۔ وہ زبردست مترجم بھی ہیں اور ماہر لسانیات بھی، جالبی صاحب نے مغربی تنقید کے شاہکار اردو میں ترجمہ کر کے، اردو کے دامن کو وسعت دی۔ جالبی صاحب محقق بھی ہیں اور مدون بھی۔ انہوں نے جو بھی کام کیا، اس میں تخلیق تحقیق کی خوبیوں کے ساتھ تدوین کے اصول اور تقاضے نظر آتے ہیں۔ قدیم اور دکنی ادب کی دریافت، ترتیب اور تدوین کے سلسلے میں کافی محنت کی۔⁽⁹⁾ ان کا پہلا اہم حقیقی کام دیوان حسن شوقی کی تدوین تھا۔ جس پر وقیع مقدمہ محققین کی توجہ کا مرکز بنا۔ اس کے بعد دیوان نصرتی او بی نوادر کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر اس کے کچھ عرصے بعد ہی یعنی ۱۹۷۳ء میں ایک ایسی معرکہ آرا تحقیق پیش کی جس نے اردو تحقیق کی تاریخ میں بعض نئے رہنما اصول مرتب کیے اور محققین نے اسے تدوین متن و تصحیح متن کا مثالی نمونہ قرار دیا۔ میری مراد نظامی دکنی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ سے ہے۔ جس کی وجہ تدوین نے بلاشبہ دنیائے تحقیق کو چوکا دیا تھا۔ گویا جالبی صاحب نے تدوین کی روایت کو آگے بڑھانے میں جو محنت کی ہے اس کا اندازہ ان کی تدوین و تحقیق کے کام دیوان نصرتی دیوان شوقی اور مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کو دیکھ کر بخوبی ہوتا ہے اور تدوین اور تحقیق میں ان کا تجربہ بھی نظر آتا ہے۔ تحقیق سچائی کی تلاش کا نام ہے اور محقق اردو تحقیق میں تلاش و جستجو اور فراہمی کے ساتھ ساتھ متن کی ترتیب میں ذہانت اور محنت کا ثبوت دیتا ہے۔ جمیل جالبی کا شمار بھی انہی محققین میں ہوتا ہے۔⁽¹⁰⁾ ڈاکٹر جمیل جالبی نے قدیم ادبیات اور خصوصاً دکنی ادب کے تعلق سے چند شعراء کے کلام کو مرتب کیا۔ جن میں نظامی کی مثنوی، کدم راؤ پدم راؤ، نصرتی اور حسن شوقی کے دیوان شامل ہیں۔ اسی جمیل جالبی نے خود تحقیق، تدوین و تنقید، ترتیب کے لیے وقف کر دیا۔ دکنی نثر کے قدیم نثری نمونوں میں سے محمد باقر آگاہ کے ’دیباچہ گلزار عشق‘ کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرتب کیا ہے۔ (صحیفہ، جنوری ۱۹۷۳ء) ’گلزار عشق‘ آگاہ کی مثنوی ہے۔ جس کا دیباچہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس سے نہ صرف آگاہ کے عہد بلکہ چند ادبی و لسانی مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔⁽¹¹⁾ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ایک جامع تعارف کے ساتھ اس دیباچے کو مرتب کیا ہے۔ نکات الشعراء، ’’کا تحقیقی اور تنقیدی‘‘ مطالعہ کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق میر اپنے اس تذکرے کا ایک نقش اول تقریباً ۱۱۶۰ء میں لکھ چکے تھے۔ اس لیے یہ اردو شعر کا اولین تذکرہ ہے اور بعد میں قطع و برید اور حک و اضافہ سے میر نے اسے موجودہ شکل میں ۱۱۶۵ء میں یا اس کے پیچھے بعد مکمل کیا۔ جمیل جالبی جس کام کا بھی بیڑا اٹھاتے اُسے پورے ذوق و شوق لگن اور محنت سے عمل کرتے۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ پر جمیل جالبی کا کام انتہائی محنت طلب ہے۔ ہمارے محققین قدیم ادب میں دلچسپی نہیں لیتے کیونکہ اس ادب کی افہام و تفہیم کے لیے مختلف زبانوں سے واقفیت اور ان کے ادبی اور لسانی ہیر پھیر سے آگاہی ضروری ہے۔ ہمارے محققین پہلے سے دریافت شدہ چیزوں کو از سر نو دریافت کرنے کے عادی ہیں۔ قدیم ادب کی بازیافت چونکہ دقت طلب، محنت طلب اور صبر کی متقاضی ہے۔ لہذا اس پر توجہ نہیں دیتے۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے مصنف فخر الدین اور تخلص نظامی ہے۔ وہ دکن کے بہمنی فرماں روا احمد شاہ ولی تک کے عہد میں پیدا ہوئے۔ کسی قدیم تذکرے یا کتاب میں نظامی کا نام نہیں آیا۔ نظامی کے نام و تخلص کا علم بھی اسی مثنوی سے ہوتا ہے۔ چونکہ اس مثنوی کی ابتدا میں احمد شاہ ولی کی مدح میں اشعار ملتے ہیں۔ اس مثنوی کی کہانی ہیر انگر کے راجہ کدم راؤ اور اس کے وزیر پدم راؤ کے گرد گھومتی ہے۔ کدم راؤ انسان ہے اور پدم راؤ ناگ۔ اس کہانی میں وہ سب کچھ ہے۔ جو دیومالائی قصوں میں ہوتا ہے کہانی کے اعتبار سے یہ مثنوی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی لیکن لسانی نقطہ نظر سے یہ ایک تصنیف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سو سال قبل ہماری زبان کی کیا حالت ہے اس پر کون کون سے لسانی اثرات غالب تھے۔ اس کا ذخیرہ الفاظ کن کن زبانوں سے خوشہ چینی کا نتیجہ تھا۔^(۱۲)

اس سلسلے میں جمیل جالبی لکھتے ہیں: ”اس مثنوی میں بیک وقت کھڑی، پنجابی، راجستھانی، برجی، گجراتی، سندھی، سرائیکی اور مرہٹی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ میں نے جب پنجابی، سندھی، کھڑی، راجستھانی، برجی اور گجراتی بولنے والوں کو الگ الگ اس مثنوی کے اشعار پڑھ کر سنائے تو انہوں نے جہاں اور کئی باتیں کہیں وہاں یہ بات مشترک تھی کہ یہ زبان ان کی اپنی زبان کے قریب ہے اور آج بھی اس کے بہت سے الفاظ ان کے گھروں میں بولے جاتے ہیں۔ اس تجربے سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ قدیم زبان جو اس مثنوی میں استعمال ہوئی ہے۔ اس میں صدیوں کے میل جول سے متعدد زبانوں کا خون شامل ہے اور اسی خاندانی شباهت کی وجہ سے مختلف زبانیں بولنے والے اسے اپنی زبان سے قریب پاتے ہیں۔“ جمیل جالبی نے اس مثنوی کو تدوین کے جدید اصولوں کے مطابق مرتب کیا ہے اور اس کے زمانہ تصنیف، حالات مصنف، موضوع مثنوی اور لسانی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر مشفق خواجہ لکھتے ہیں: ”جالبی صاحب نے یہ مثنوی مرتب کر کے بلاشبہ ایک عہد آفرین تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس قسم کے تحقیق کاموں کے لیے جس تنقیدی شعور، صحیح ذوق، محنت اور ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جالبی صاحب میں بدرجہ اتم موجود ہے۔“ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کو جالبی صاحب نے دریافت تو نہیں مگر اسے مکمل کر کے چھاپنے کا سہرا آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ آپ نے متن کی صحت میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔^(۱۳) حسن شوقی ارض بیجا پور کے دسویں صدی ہجری کے اچھے شعراء میں شامل ہے۔ شمالی ہند کے اہل تحقیق اور ارباب علم و ادب نے ابھی تک اردو ادب کے اس لٹریچر کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ولی بھی اسی شوقی کا متبع اور مقلد تھا اور خود کو اس کے بے مثال سخن کا نمائندہ تصور کرتا تھا۔ کہتا تھا: بر جاہ اگر جگ میں ولی پھر کے دُجے یار رکھ شوق مرے شعر کا شوقی حسن آوے

جمیل جالبی نے مختلف بیاضوں سے ایک ایک غزل بلکہ ایک ایک شعر حاصل کر کے ۳۳ سالم غزلیں دیوان شوقی میں جمع کر دی ہیں۔ شوقی اب سے تقریباً چار صدی پہلے کا شاعر ہے۔ اردو نے اتنی طویل مدت میں بمصدق۔ کروٹیں بدلیں اہونے اور انساں ہو گیا اتنے قدیم شاعر اور اس کے کلام اور اس کے دور کا سمجھنا وقت طلب کام ہے۔^(۱۴)

جالبی صاحب قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے حتی الامکان اس فرض کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور کسی قسم کا قدیم ذریعہ معلومات نہ ہونے کے باوجود اکثر و بیشتر الفاظ کی ردیف وار فرہنگ مرتب کر دی۔ جہاں تک دیوان شوقی کے متن کا تعلق ہے۔ وہ اپنی جگہ خوب ہے لیکن جالبی صاحب کا اصل کارنامہ وہ بسیط و شرح اور فاضلانہ مقدمہ ہے جس میں شوقی کے زمانے کی لسانی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اور دوسری ملکی زبانوں کے ساتھ اس کے تعلق پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ جمیل جالبی کے اس مقدمے سے ان گتھیوں کے سلجھانے میں قراوقی اور قابل قدر مدد مل سکتی ہے۔ جو اردو کو مغربی پاکستان کی قومی زبان تسلیم کرنے میں آڑے آسکتی ہیں۔^(۱۵) جمیل جالبی کا دیوان شوقی ترتیب دینا اور اس میں تصحیح متن کے مشکل اور بظاہر غیر دلچسپ کام کو سرانجام یقیناً مسرت کا باعث ہے۔ جمیل جالبی تحقیق میں پروفیسر شیرانی کے طریق کار سے بہت متاثر ہیں۔ قاری کو چونکائے کا طریقہ بھی انہوں نے شیرانی سے مستعار لیا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں۔ ”جالبی صاحب نے بھی ناقابل تردید دلائل کو سب سے آخر میں جگہ دے کر قاری کو تحیر اور استعجاب میں ڈالا اور اس طرح دلائل کو پیش کرنے کا وہ اسلوب اختیار کیا ہے جس میں محقق کے دلائل کو تسلیم کیے بغیر پڑھنے والے کے لیے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا اور دلائل کے آخری سرے تک پہنچتے پہنچتے وہ محقق کا ہم نوا ہو جاتا ہے۔“ نصرتی گیارہویں ہجری کا شاعر، اپنے وقت کا بے مثال استاد اور دربار بیجاپور کا ملک الشعراء تھا۔ اگرچہ علی نصرتی کے متعدد و معرکتہ آراء قصائد بھی شامل ہیں۔ پھر بھی یہ سوال باقی تھا کہ اس ملک الشعراء نے مثنوی کے سوا کسی اور صنف سخن میں بھی طبع آزمائی کی تھی یا نہیں؟ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی معروف خداداد صلاحیتوں اور انتھک جانفشانی سے کام لیا اور بقول خود ”ریزہ ریزہ“ کر کے باقی کلام کو جمع کیا اور دنیائے ادب پر ثابت کیا کہ وہ صرف مثنوی گو ہی نہیں۔ دوسرے اصناف میں بھی اس نے اپنی استاد کی جھنڈے گاڑے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے نصرتی کی غزل گوئی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں تخیل، جذبہ اور معنی آفرینی کی کمی ہے۔ مرتب نے شاعر کے سوانح حیات میں نام و نسب، درباری، اخلاق و عادات، احباب، وفات کا قطعہ پیش کر کے ایک ایسے باکمال شاعر کو حیات جاودانی بخشی ہے۔^(۱۶) تاریخ نگاری کا مقصد ماضی کی بازیافت ہے لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہی ضروری نہیں کہ پرانی کتابوں میں لکھے گئے واقعات کو اپنی زبان میں بیان کر دیا جائے۔ پرانی کتابوں کے واقعات ہی کو اگر دہرانا ہے تو پھر نئی کتاب لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ پرانی کتابیں، نئی کتابوں کی نسبت مشترک واقعات کو جاننے کا بہترین اور مستند ذریعہ ہیں۔ ماضی کی تاریخ لکھنے والے کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ وہ ہر عہد کے سیاسی معاشرتی، ثقافتی اور معاشی مد و جذر اور قدروں کو پیش نظر رکھ کر واقعات جانچتا، پرکھتا اور ان میں تضاد کے ہوتے ہوئے بھی باہمی تعلق کو دریافت کرتا ہے اور پھر وہ ایک ایسی تصویر پیش کرتا ہے۔ جس میں متعلقہ عہد اپنے صحیح خدوخال کے ساتھ نظر آتا ہے۔ تاریخی افراد کی سوانح عمریوں اور کارناموں کے

مجموعے کا نام نہیں ہے یہ فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق کو سمجھنے اور سمجھانے کا وسیلہ ہے۔⁽¹⁷⁾ ادبی تاریخ کی جامع تعریف جمیل جالبی نے ان الفاظ میں کی ہے اور اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ادب معاشرتی عکس ہے ”ادب کی تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں ہم زبان اور اس کے بولنے اور لکھنے والوں کی اجتماعی و تہذیبی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔ ادب میں سارے فکری تہذیبی، سیاسی، معاشرتی اور لسانی عوامل ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت، ایک اکائی بناتے ہیں اور تاریخ ادب ان سارے اثرات روایات، محرکات اور خیالات و رجحانات کا آئینہ ہوتی ہے۔“ جمیل جالبی نے اردو کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے براہ راست مخطوطات کے مطالعے پر اپنی بنیاد رکھی اور نہایت جانفشانی اور عرق ویزی سے اس کو مکمل کیا۔ وہ بعض سامنے کی باتوں پر اچھوتے انداز سے روشنی ڈالتے ہیں۔⁽¹⁸⁾ گیان چند لکھتے ہیں: ”ان کی اس مشقت کا ترمہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی تاریخ سے جتنی زیادہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اتنی دوسری کسی تاریخ ادب سے نہیں ہوتیں۔“ جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو لکھ کر نہ صرف اردو زبان پر بلکہ اردو ادب اور تاریخ پر بھی ایک بڑا احسان کیا ہے اور محنت اتنی کہ داد دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔⁽¹⁹⁾ جبکہ مشفق خواجہ لکھتے ہیں۔ ”جمیل جالبی نے مواد کی فراہمی کے لیے بڑی کٹھنایاں اٹھائی ہیں۔ انہوں نے کرم خوردہ، دریدہ آب رسیدہ اور بڑی حد تک ناخوانا مخطوطات سے جس طرح استفادہ کیا ہے وہ انہیں کا کام تھا۔ اگر وہ صرف مطبوعہ ادبی ذخیرے سے استفادہ کرتے تو تاریخ ادب اپنی بہت سی خوبیوں سے محروم ہو جاتی۔ مخطوطات سے استفادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جالبی نے شاعروں اور ادیبوں سے براہ راست تعلق پیدا کیا ہے۔ وہ کسی مرتب یا محقق کے توسط سے مواد فراہم نہیں کرتے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جالبی کی تحریر میں وہ اعتماد پیدا ہو گیا۔ جس کے بغیر ادبی مؤرخ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔“⁽²⁰⁾ رشید حسن خاں ایک بڑے محقق اور تحقیق کے فن سے بخوبی آشنا ہیں۔ انہوں نے اس پر کافی تنقید کی ہے۔ ان کو ماخذ کی فراہمی حوالہ جات، زبان و بیان پر کافی اعتراضات ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”مؤلف نے مؤخر اور غیر معتبر ماخذ سے بھی کام لیا ہے۔ یہ اس کتاب کا بہت کمزور پہلو ہے اور اس نے کتاب کی استنادی حیثیت کو مجروح کیا ہے۔“ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے بہت سے حوالہ جات بھی دیے ہیں جبکہ گیان چند نے ان کے بیان پر حیرت کا اظہار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ جالبی صاحب نے تو مخطوطوں تک کو ٹٹولا ہے اور اردو ادب میں نہیں منفرد محقق کہتے ہیں۔⁽²¹⁾ ریاض صدیقی نے ”تاریخ ادب اردو ایک مطالعہ“ کے عنوان سے لکھا ہے تکنیکی اور علمی اصولیات کی رو سے جس علم کو تاریخ کہا جاتا ہے اردو محمد حسین آزاد سے لے کر مولوی عبد است تک اس سے مانوس نہیں تھی۔ پچھلے دو سو سالوں میں تاریخیت کا شعور آ کر نہیں دکھائی دیتا ہے۔ تو وہ غالب کی فارسی تصنیف ”دستو“ رسائی حالی کی تصنیف ”مقدمہ شعر و شاعری“ اور ”ترقی پسند ادبی تنقید“ ہے اردو کی ادبی تاریخ کا سفر آب حیات سے شروع کرنا ایک بڑی غلطی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی پر مختلف نقادوں نے تنقید بھی کی ہے لیکن ایک بات ہے کہ وہ ”چومکھی ادیب“ میں ان کی ادبی دلچسپی کا میدان اتنا وسیع ہے کہ ان کی تمام ادبی جہتوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ترجمے میں بھی انہوں نے کمال کام کیا ہے۔ ایلپیٹ کے مضامین اور ”ارسطو سے ایلپیٹ تک“ دونوں کتابیں ترجمہ نگاری کے ضمن میں بنیادی اہمیت حامل ہیں۔⁽²²⁾ سید عبداللہ لکھتے ہیں: ”ارسطو سے ایلپیٹ تک“ درحقیقت علم

و تحقیق کا کوہ ہمالیہ ہے۔ ان تراجم میں انہوں نے الفاظ کی خوبصورت تخیل آفرینی کو مد نظر رکھا ہے۔ مفہوم کو سمجھ کر اس کی ادائیگی کرنا بڑے حوصلے کا کام ہے اور اپنی قوم کو مغربی ادب سے روشناس کرانے میں جتنا حصہ ان کا ہے اس کی نظیر مشکل ہے اور تراجم سازی میں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت بحال رکھی ہے۔ “⁽²³⁾ ڈاکٹر جمیل جالبی اردو کے ان ادیبوں میں سے ہیں جو قدیم ادب سے اتنا ہی واقف ہیں جتنا جدید سے۔ مشرق سے بھی اتنی ہی آگاہی رکھتے ہیں جتنی مغرب سے۔ ان کے علمی و ادبی انہماک نے اس واقفیت و آگاہی میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ نتیجہ ان کی ہر تحریر خواہ قدیم سے متعلق ہو یا جدید سے لسانی مسائل سے تعلق رکھتی ہو یا ادبی مباحث سے، قدر اول کی چیز ہوتی ہے۔“⁽²⁴⁾ اسی طرح اس تناظر میں اختر حسین جو کہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے صدر رہ چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ”ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب ہمارے ملک کے وہ مسلمہ ادیب ہیں۔ جن کی تصنیفات نے ملک کے پڑھے لکھے طبقے پر ایک ایسی نقش قائم کر دیا ہے۔ جو دیر تک قائم رہے گا۔“ جمیل جالبی نے اپنی اہمیت ہر جگہ منوائی ہے۔ چاہے تحقیق ہو، تدوین ہو، تنقید ہو، ترجمہ نویسی ہو یا تاریخ نویسی ہر جگہ ان کا ایک الگ مقام ہے۔ جس کی بدولت وہ اردو ادب میں ایک نابغہ روزگار شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں اور ان کی تخلیقات اردو ادب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں مختصر یہ کہ ڈاکٹر جمیل جالبی سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ جس کام کی ادارت ان کے ہاتھ میں ہو۔ اس میں تخلیق و تحقیق و ترتیب و تسوید کا حسین توازن ضرور ملے گا۔⁽²⁵⁾

حاصل بحث: برصغیر کے ادیبوں بالخصوص مسلمان مورخین و نقاد میں شہرت کے افق پر پہچانے والے ڈاکٹر جمیل کا اردو ادب کی تعمیر میں اہم کردار ہے بطور دانشور و نقاد اس نے اپنی عمر کا اکثر حصہ اردو زبان و ادب کی ترقی کیلئے وقف کر دیا اور یوں زبان کی خدمت کی۔ وہ اپنی بے لوث و بیش بہا علمی و ادبی مطالعے، خدمات کے سبب وہ اردو زبان و ادب کے بہترین مورخ، محقق، تنقید نگار، مترجم، لغت نگار کے طور پر شہرت رکھتے ہیں۔ تین درجن سے زائد کتب ان نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ ادب اردو کو جس طرح دلائل سے واضح کرتے ہوئے مرتب کیا اور شائع کی اس کی نظیر نہیں۔ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لئے ان کی کاوشیں انہیں اردو زبان کا محسن قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔ یہ مضمون دراصل ان کی ادبی خدمات کا ایک مختصر جائزہ ہونے کے ساتھ اس کی خدمات کے مختلف سنہری گوشوں سے طلبہ کو روشناس کرانے کی ایک کوشش ہے۔

حوالہ جات:

1. - جالبی ڈاکٹر، جمیل، اردو ادب کی قدیم تاریخ، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2009، ص-12، 11-1
2. - اختر ڈاکٹر سلیم، اردو ادب کی تاریخیں، قصر الادب، حیدر آباد، 1999، ص-157، 158-2
3. - جالبی عبد العزیز ساحر، جمیل شخصیت اور فن، اسلام آباد، 2007، ص-11-3
4. - ثار ڈاکٹر حبیب، ڈاکٹر جمیل جالبی ایک مطالعہ، راوالپنڈی، ص-59-4

5. -خان محمد صدیق، ڈاکٹر جمیل جالبی، مضمون، سہ ماہی ادبیات، ج-7، 1947، اسلام آباد، ص-1147-⁵
6. -کاشمیری تبسم، ادبی تحقیق کے اصول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992، صص 21-⁶
7. -اختر ڈاکٹر سلیم، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل، لاہور، 1987، ص-284-⁷
8. -اختر ڈاکٹر سلیم، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل، لاہور، 1987، ص-285-⁸
9. -گیان ڈاکٹر چند، تاریخ ادب اردو، لاہور، 2010، ص-45-⁹
10. -گوہر ڈاکٹر، ڈاکٹر جمیل جالبی ایک مطالعہ، فروغ اردو زبان، لاہور، 1993، ص-234-¹⁰
11. -گوہر ڈاکٹر، ڈاکٹر جمیل جالبی ایک مطالعہ، فروغ اردو زبان، لاہور، 1993، ص-235-¹¹
12. -خواجہ ڈاکٹر مشفق، مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، مشمولہ جمیل جالبی، لاہور، 1993، ص-252-¹²
13. -خواجہ ڈاکٹر مشفق، مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، مشمولہ جمیل جالبی، لاہور، 1993، ص-256-¹³
14. -امروہی، افسر صدیقی، دیوان حسن شوقی، لاہور، 1993، ص-261-¹⁴
15. -امروہی، افسر صدیقی، دیوان حسن شوقی، لاہور، 1993، ص-262-¹⁵
16. -قریشی ڈاکٹر وحید، ڈاکٹر جالبی ایک مطالعہ وحید قریشی، ڈاکٹر، مقالات تحقیق، لاہور، مغربی پاکستان اکیڈمی، 1988، ص-264-16
17. -علی مبارک، ڈاکٹر، تاریخ آگاہی، لاہور، نگارشات، 1989، ص-29-¹⁷
18. -علی مبارک، ڈاکٹر، تاریخ آگاہی، لاہور، نگارشات، 1989، ص-67-¹⁸
19. -گیان چند جین، ڈاکٹر، جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو- ایک جائزہ، مشمولہ، جمیل جالبی- ایک مطالعہ، لاہور، 2010، ص-390-¹⁹
20. -خواجہ مشفق، جمیل جالبی ایک مطالعہ، ص-223-²⁰
21. -خان رشید حسن، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران، 2012، ص-301 تا 303-²¹
22. -صدیقی پروفیسر ریاض، تاریخ ادب اردو ایک مطالعہ، لاہور، 2006، ص-184-²²
23. -ڈاکٹر عبداللہ، سید، ارسطو سے ایلپیٹ تک، لاہور، 1987، ص-224-²³
24. -فتح پوری ڈاکٹر فرمان، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1942، ص-15-²⁴
25. -حسین اختر، ڈاکٹر جمیل جالبی ایک مطالعہ، فروغ زبان اردو، لاہور، 1992، ص-53-²⁵



This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).